اسلام میں تصورِ معبود   2010-ELECTRICAL

سید محمد علی نادر

حق کی تلاش ہر زمانے میں انسان کے لئے ایک مسئلہ رہی ہے۔ اس طرح ہر دور میں انسان ہر اس شے سے متاثر ہوتا رہا جسے زیر کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر دور اور ہر علاقے میں لوگوں نے اپنے دیوتا گھڑ لئے۔ آگ، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش نے یقیناً اسی طرح جنم لیا ہوگا۔ جو لوگ آج خدا کے وجود کے تصور کو رد کرتے ہیں ان کے لئے کیا یہ دلیل کم ہے کہ لوگ غیر اللہ کو پوجتے رہے ہیں۔ اس بات کو آسان الفاظ میں دو سوالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا سوال یہ کہ انسان کو یہ ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی کہ وہ سورج اور چاند ستاروں کی پرستش کرے؟ دوسرا یہ کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ ضرورت اس لئے پیدا ہوئی ہوگی کہ جب وہ کسی مصیبت میں ہوتے تھے تو وہ مدد کے لئے دیوتاؤں کو پکار لیتے ہوں گے۔ یعنی وہ یہ ضرورت محسوس کرتے ہوں گے کہ کوئی ایسا موجود ہو جو ان حالات میں بھی ان کی مدد کرے جب انسان مدد نہ کر سکتا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ یقیناً خود کو غیر محفوظ پاتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فطری ضرورت تھی کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور فاعل کے خود کو تابع کر دے۔ اگر یہ فطری ضرورت تھی تو خدا کا تصور غیر فطری نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ روح کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے ان کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسان کی نفسیاتی ضرورت ہے۔ وہ لوگ روحانی ضرورتوں کو نفسیاتی ضرورت سمجھنے پر مجبور ہیں۔ فی الواقع وجود خدا کا انکار عین غیر فطری ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے ان تمام سوالوں کے جوابات دیے ہیں جن کی انسان کو تلاش تھی۔ اسلام میں خدا کا حقیقی تصور تمام تر مذاہب عالم سے مختلف ہے۔ ہاں البتہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اس تصور میں جزوی طور پر کچھ باتیں مشترک معلوم کی جا سکتی ہیں لیکن مکمل اتحاد ممکن نہیں۔ [1]

اسلام نے لفظ اللہ کو خدا کے لئے اسم ذات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی معبود برحق کے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی تمام تر نام اسمائے صفات کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ لفظ اسلام سے قبل بھی مستعمل رہا ہے مگر اسلام میں یہ تمام تر اسمائے صفات کا بھی احاطہ کرتا ہے۔

اسلام میں خدا کے تصور کی ابتدا اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اس کی یکتائی کا اقرار کئی دوسرے مذاہب میں بھی ہوتا ہے مگر اسلام کا تصور وحدانیت ان کے تصور سے مختلف ہے جس کی وضاحت آگے چل کر معلوم ہوگی۔ وہ اپنی یکتائی میں اس طرح یکتا ہے کہ جس طرح کوئی دوسرا نہیں۔ دراصل وہ تو ان حسابی ہندسوں سے بھی بالا ہے جو کسی غیر اللہ کی گنتی پر لاگو ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کی وحدانیت کسی غیر اللہ کے ایک ہونے سے سراسر مختلف ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص۔۱)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اللہ واحد ہے

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ توحید پرست ہو۔ وہ اقرار کرے کہ اللہ اس طرح واحد ہے کہ جیسے کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (الصفت ۴)

ترجمہ: یقیناً تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

کائنات کے نظام میں ایک خاص قسم کی ترتیب پائی جاتی ہے۔ پورا نظام مقررہ اصول کے تابع نظر آتا ہے۔ عام مشاہداتی مثال یہ کہ سورج شرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ دن اور رات بدل بدل کر آتے ہیں۔ سورج اور چاند اس طرح منظم ہیں کہ قوت ثقل کے ایک خاص تناسب کی وجہ سے آپس میں ٹکرانے کا سوال تک نہیں

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰس۔۴۰)

ترجمہ: نہ سورج کی مجال کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے سکتی ہے۔ اور وہ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔

کائنات کے بڑے اجسام سے لے کر انسان کے خلیاتی نظام تک میں ایک حسن ترتیب ہے اور کسی قسم کا ٹکراؤ نظر نہیں آتا۔ اس حسن ترتیب کی وجہ سے انسان عقلی طور پر یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کوئی واحد ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء۲۲)

ترجمہ: اگر اس آسمان وزمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

یہ ایک ایسی منطقی دلیل ہے کہ جس کا ادراک کوئی بھی باشعور انسان کائنات کے نظام کے مشاہدے سے کر سکتا ہے۔ یہ ایسی عالمگیر حقیقت ہے کہ خورشید احمد نے مسٹر آرتھر کیتھ کا اقتباس نقل کیا ہے:

''انسانی دماغ ان عظیم سوالات کو حل کرنے کے لئے ایک حقیر سا آلہ ہے۔ ہمیں اسکی مجبوریوں کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ لیکن پھر بھی ہر وقت اس امر کا ادراک کر رہا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کس قدر منظم اور مربوط ہے اور فطرت کی نت نئی ایجادات کیسی حیران کن ہیں۔ ہر سمت ایک مقصد کارفرما ہے۔ خواہ ہم عام ہوں یا سائنس دان، ہمیں کائنات کے لئے ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا پڑے گا۔''[۲]

لہٰذا جو لوگ سائنس کو دلیل بنا کر خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں اس کی نفی مسٹر آرتھر کیتھ نے کر دی ہے۔ سائنس مظاہر کی تشریح تو کر سکتی ہے مگر فطرت کے اصولوں کو بدلنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا ہم سائنس کو خدا تک رسائی کے لئے تو استعمال میں لا سکتے ہیں مگر سائنس کو خدا کی نفی کے لئے دلیل بنانا عقلی اور منطقی ناانصافی ہوگی۔

اسلام اللہ کو اختیار کل قرار دیتا ہے۔ اس کا اختیار لامحدود ہے۔ اس کا حکم صرف اسی ایک دنیا تک محدود نہیں بلکہ وہ تو ان گنت عالمین کا رب ہے۔ کئی ایسی دنیائیں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں جن کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ وہ بلا کسی شریک کے تمام تر نظاموں کو بطریق احسن چلا رہا ہے۔ اسے اپنے امر کے لئے کسی کے مشورے کے ضرورت نہیں۔ وہ تو جب کسی امر کو کرنا چاہتا ہے تو بس ارادہ کرتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ اگلے زمانوں میں اور اب بھی بعض مذاہب اللہ تعالیٰ کے اختیارات کو تقسیم کرتے ہیں۔

''۔۔۔ وہ خدا کو ان انواع کی تربیت کے لئے کافی نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہ عشق، عقل، تجارت اور جنگ جیسے امور کے لئے بھی رب نوعی کے قائل تھے۔ یونانی بارہ بڑے خداؤں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک انسان کی ایک صفت کا مظہر تھا۔''[۳]

لیکن اسلام ارباب انواع کی مکمل طور پر نفی کر دیتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی پہلی ہی آیت میں رب العالمین کے لفظ سے علاقائی اور زمانی خداؤں کی نفی ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی صاحب اختیار نظر آتا ہے تو یہ اختیار اسی کا دیا ہوا ہے جو وہ جب چاہے چھین سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی یوں رقمطراز ہیں:

''وہ حقیقت ایسی ہے کہ جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ دنیا میں جہاں، جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے اس کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ کسی انسان، کسی فرشتے، کسی دیوتا، کسی سیارے، غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے''[۴]

ہندوازم میں اگرچہ ایشور کو سب سے بڑا خدا مانا جاتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے اختیارات کو منقسم کر دیا جاتا ہے۔ دیوتاؤں کو ایشور کے حصے خیال کیا جاتا ہے اور اس طرح جز کی عبادت کر کے کل کی عبادت مراد لی جاتی ہے۔ لہٰذا اسلامی تصور وحدانیت کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ اسلام کے علماء بھی بدقسمتی سے ویدانیت کے نظریات کی زد میں آ کر کئی صدیوں تک ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی بحث میں الجھے رہے ہیں۔ وحدت الوجود کا اصل چہرہ ڈاکٹر وحید عشرت نے یوں بے نقاب کیا ہے:

''وحدت الوجود کا مطلب یہ ہے کہ اصل وجود صرف خدا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی وجود نہیں۔ کائنات خدا سے پیدا ہوئی اور اسی کی طرف لوٹ جائے گی اور خدا ہی کے وجود میں لوٹ جائے گی۔ کائنات سے الگ خدا کا کوئی تصور نہیں اور خدا سے الگ کائنات کا وجود نہیں ہے۔ خدا وجود مدرک اور کائنات معنی ہے۔''[۵]

اس ناقص تصور کی وجہ سے خدا اور کائنات ایک دوسرے کا عین بن جاتے ہیں جو کہ غیر اسلامی تصور ہے۔ دراصل وحدت الوجود کا اپنا کوئی تشخص نہیں ہے۔ یہ نظریہ بیرونی اثرات اور متشابہات کی غلط تاویلات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ کی ذات اور صفات میں دوئی اور حلول کے شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ کی ذات اور صفات میں دوئی اسلامی تصور خدا کے منافی ہے۔ اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

''دین کی پہلی بنیاد خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا کمال تصدیق ہے اور کمال تصدیق توحید ہے اور کمال توحید اس کو ہر چیز سے برتر ماننا ہے، یہ کمال خلاص صفات کی ذات سے نفی ہے کیونکہ ہر صفت غیر موصوف ہے اور ہر موصوف غیر صفت ہے۔ جس نے اس کی توصیف میں، ذات کو صفات سے (زائد) ملایا، اس نے گویا ذات الٰہی میں دوئی پیدا کی اور جس نے دوئی پیدا کی اس نے گویا اس کی ذات میں تقسیم مانی اور جس نے ذات الٰہی میں تقسیم مانی وہ نادان ہے۔ اور جس نے نادانی کی اس نے خدا کی طرف اشارہ کیا اور جس نے اشارہ کیا اس نے اسے محدود کر دیا۔ اور جس نے یہ پوچھا کہ خدا کس چیز میں ہے؟ اس نے گویا کسی چیز کے ضمن میں اسے قرار دیا اور جس

نے سوال کیا کہ وہ کس چیز پر ہے؟ تو اس نے دوسرے مقام کو اس سے خالی تسلیم کر لیا!'' [۶]

مندرجہ بالا خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کو لامکانی اور لازمانی بیان کیا ہے۔ زمان و مکان کی حدود بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تخلیق ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے کہ جس کے بعد کوئی وجود نہیں اور جس سے پہلے کوئی عدم نہیں۔ وہ غیر متغیر ہے۔ وہ عیاں بھی ہے اور نہاں بھی ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید۔۳)

ترجمہ: وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب کے بعد ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ہے اور وہ ہر شے سے واقف ہے۔

وہ نیند، افزائش نسل، رشتوں اور تعلقات سے مبرا اور بے نیاز ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص۔۲۔۴)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ان آیات کی روشنی میں عیسائیت، یہودیت، بدھ مت اور دیگر مذاہب سے اسلامی تصور خدا کی راہ جدا ہو جاتی ہے۔ وہ تو اپنی صفات میں لاثانی ہے۔ وہ ان تمام باتوں سے مبرا اور بالا ہے جو کسی مخلوق کے لئے لاگو ہو سکتی ہیں۔ وہ تو ایسا فاعل کل ہے کہ جس کے لئے مفعول کی وجود شرط نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

''وہ تب بھی خالق تھا جب مخلوق نہ تھی، وہ تب بھی رب تھا جب مربوب نہ تھا، وہ تب بھی قادر تھا جب مقدور نہ تھا'' [۷]

لہذا وہ تو ایسا بلند و بالا ہے کہ مخلوق اس کے مقام کا ادراک نہیں کر سکتی اور نہ اسے مخلوق کے درجہ ادراک تک لایا جا سکتا ہے۔ اس کی صفات کے سلسلے میں خورشید احمد لکھتے ہیں:

''الہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز، صمد اور قیوم ہو، جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ جو قادر مطلق اور حاکم علی الاطلاق ہو۔ جس کا علم سب پر محیط، جس کی رحمت سب پر وسیع ہو، جس کی طاقت سب پر غالب ہو، جس کی حکمت میں کوئی نقص نہ ہو، جس کے عدل میں ظلم کا شائبہ تک نہ ہو، جو زندگی بخشنے اور وسائل حیات مہیا کرنے والا ہو، جو نفع و ضرر کی ساری قوتوں کا مالک ہو، جس کی بخشش اور نگہبانی کے سب محتاج ہوں، اس کی طرف تمام مخلوقات کی بازگشت ہو، وہی سب کا حساب لینے والا ہو اور اسی کو جزا اور سزا کا اختیار ہو'' [۸]

ظالم حکمرانوں نے جو جبر و قدر کے نظریے کو لوگوں میں رائج کیا اس کی نفی مذکورہ بالا اقتباس سے ہو جاتی ہے۔ نظریہ جبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نظام عدل پر حرف آتا ہے اور جزا اور سزا کے تصور میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصور کے ساتھ خیانت ہے۔ قرآن میں تقدیر اور اختیار دونوں طرح کی آیات موجود ہیں ڈپٹی نذیر احمد نے ان کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

''دونوں قسم کی آیات کے ملانے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان فاعل با اختیار ہے، مجبوری ہے تو یہ ہے کہ نہ وہ اپنے ارادے سے پیدا ہوا اور نہ اس نے اختیارات کی درخواست کی۔ دوسرے یہ کہ آدمی ارادے کا اختیار رکھتا ہے---'' [۹]

اللہ تعالیٰ کے تصور کو جاننے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اس کائنات میں انسان کے مقام کا بھی پتہ لگایا جائے۔ قرآن کے مطابق انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ اب اس منصب کا حق اسی صورت ادا ہوتا ہے جب انسان اللہ کے بتائے ہوئے رستے پر چلتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت۔۵۱)

ترجمہ: اور ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا

مگر اللہ تعالیٰ صرف رسمی عبادات کا مستحق نہیں ہے۔ وہ تو مکمل خود سپردگی چاہتا ہے۔ جس خالق نے خلق کیا ہو اس کا یہ حق ہے کہ اس کے بتائے ہوئے رستے پر عمل پیرا ہوا جائے۔ لیکن اس کے لئے رہبانیت کی بجائے معاشرت کا انتخاب کرنا ہوگا اور معرفت الٰہی سے یقین کی منزل تک پہنچنا ہوگا۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اگر عبادت کو فقط نماز، روزے اور دوسری عبادات تک محدود تصور کیا جائے تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں گویا قرآن انسانوں سے یہ تقاضا کر رہا ہے کہ وہ عائلی، ازدواجی، معاشی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے ان تمام معاملات سے جن کا حکم خود قرآن میں موجود ہے کٹ کر جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جائیں'' [۱۰]

خالق اور مخلوق میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ہم اس فرق کا ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ محمود، الہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک، معبود، مستعان، ہادی، منعم، قہار اور مضل ہے۔ انسان

حامد،مخلوق،مربوب،عباد،مملوک ومحکوم،مستعین اور مستحق قہر وغضب ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم معرفت الٰہی حاصل کریں لیکن اس کے لئے سب سے پہلے اپنی ذات کا عرفان ضروری ہے۔اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم توحید کو سمجھ سکیں۔(آمین)

حوالہ جات:

۱۔''مذاہب عالم میں خدا کا تصور''،ڈاکٹر ذاکر نائیک

۲۔اسلامی نظریہ حیات:خورشید احمد بحوالہ "I BELIEVE"،جامعہ کراچی 2008ء ص 192

۳۔تفسیر نمونہ: مترجم سید صفدر حسین نجفی جلد اول طبع ہفتم بحوالہ اعلام القرآن،مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور 1414ھ ص 63

۴۔تفہیم القرآن:ابوالاعلیٰ مودودی جلد اول،ادارہ ترجمان القرآن اردو بازار لاہور ص 44

۵۔فلسفہ وحدت الوجود:مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2008ء ص 7

۶۔نہج البلاغہ،مترجم سید رئیس احمد جعفری،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1981ء ص 129

۷۔نہج البلاغہ:مترجم مرتضیٰ حسین فاضل،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1981ء حصہ سوم ملفوظات

۸۔اسلامی نظریہ حیات: خورشید احمد،جامعہ کراچی 2008ء ص 186

۹۔الحقوق والفرائض:ڈپٹی نذیر احمد،تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی ص 32

۱۰۔ارکان ایمان:ڈاکٹر طاہر القادری،تحریک منہاج القرآن پبلیکشنز لاہور ص 51

-